تغلق دور حکومت میں صوفیاء اور حکمرانوں کے باہمی تعلقات کا تحقیقی جائزہ

منزہ حیات *

Abstract

The local and cultural Islamic groups were the primary sources who expanded the Sufism teachings and knowledge in the Sub-continent. Sufis not only helped preach the religion but they also enlightened their followers about the spiritual knowledge and educate them. Sufis were very tolerant and receptive towards the non-Muslims and their cultural and social practices. The hermitages were very wide spread found in abundance during the Tughluq reign. The Tughuq rulers were quiet prominent in the sub-continent during (1320 – 1414) and they ruled over the sub-continent for ninety four years. Ghiaas ud Din Tughluq, Muhammad Bin Tughluq and Feroze Shah Tughluq were among the most prominent rulers of the Tughluq Dynasty. The following article focuses on the relation between the Tughluq rulers and the Sufis.

Keywords: Tughluq Period, Sufis, Rulers, Relations

برصغیر پاک وہند میں مقامی اور اسلامی ثقافتی گروہوں کے مابین تہذیبی سطح پر ابلاغ کے اولین وسیلہ کا فریضہ تصوف نے سرانجام دیا۔ صوفیاء نے اسلام کی ترویج کے لئے روشن کارنامے سرانجام دیئے۔ ان صوفیاء نے نہ صرف تبلیغی خدمات سرانجام دیں بلکہ جو لوگ ان کے پاس دین سمجھنے کے لئے آئے انہیں دینی، روحانی اور دنیوی علوم سے بھی بہرہ مند کیا۔ برصغیر میں غیر مسلموں اور ان کی تہذیب و ثقافت کے بارے میں صوفیاء کا رویہ انسان دوستی کی ایک واضح دلیل ہے۔ برصغیر کی تاریخ میں تغلق خاندان [1] (۱۳۲۰ء۔۱۴۱۴ء) کا دور حکومت نمایاں اہمیت کا حامل ہے۔ تغلق خاندان نے خلجی دور حکومت (۱۲۹۵ء۔۱۳۲۰ء) کے بعد چورانوے سال برصغیر پر حکومت کی۔ اس دوران تغلق خاندان کے جو نمایاں حکمران گزرے ان میں غیاث الدین تغلق, محمد بن تغلق اور فیروز شاہ تغلق کے نام

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

[1] لفظ تغلق کی بابت فرشتہ نے ملحقات طبقات ناصری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ دراصل یہ ترکی زبان کا اسم صفت قُتلغ تھا جس کے معنی بڑے یا بزرگ کے ہیں، اہل ہند نے اسے الٹ کر تغلق بنا لیا۔ **فرشتہ: تاریخ فرشتہ**، مترجم خواجہ عبدالحی،(لاہور: بک ٹاک ٹیمپل روڈ، ۱۹۹۱ء)،۱:۴۰۲ ، تغلق ایک ترکی لفظ ہے جس کے معنی پہاڑی کے ہیں۔ یہ پشتو لفظ روہیلہ کے مترادف ہے (ابن بطوطہ، شرف الدین محمد بن عبداللہ بن محمد بن ابراہیم، ابو عبداللہ الطنجی: **تحفۃ النظار فی غرائب الامصار**،(بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۲۰۰۲ء)،۸۹

قابل ذکر ہیں۔ تغلق دور میں ہندوستان میں خانقاہیں وسیع پیمانہ پر موجود تھیں۔ تصوف کے سبھی مشہور سلاسل علم و دانش کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ زیر نظر مقالہ میں تغلق حکمرانوں کے اس وقت کے صوفیاء سے تعلقات کی نوعیت کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔

غیاث الدین تغلق (۱۳۲۰ء۔۱۳۲۵ء)[2] کو مشائخ و صوفیاء سے بڑی عقیدت تھی۔ وہ ہر خانقاہ میں مشائخ، گوشہ نشینوں کو ان کی ضرورت اور خرچ کے مطابق رقم بھیجتا تھا۔[3] شیخ علاء الدین اجودھنی، بو علی شاہ قلندر پانی پتی (م ۱۳۲۴ء) اور شیخ رکن الدین ملتانی (م ۱۳۳۴ء) وغیرہ سے اس کی عقیدت کا ذکر تواریخ میں ملتا ہے۔ گو اسے مشائخ سے عقیدت کا تعلق رہا لیکن اس کے مذہبی جذبات و افکار پر فقہاء کا اثر غالب رہا۔[4] غیاث الدین تغلق جس کی میانہ روی کی مؤرخین نے تعریف کی ہے، اس دور کے سب سے مشہور صوفی و بزرگ شیخ نظام الدین اولیاء[5] (۱۲۲۹ء۔۱۳۲۵ء) سے اچھے تعلقات نہ رکھ سکا۔ خواجہ نظام الدین اولیاء کا عمومی رویہ انسان دوستی کے حوالہ سے نظر آتا ہے، آپ کے زمانہ میں دہلی کی مسلم حکومت مستحکم بنیادوں پر استوار ہو چکی تھی۔ جب غیاث الدین تغلق

---

[2] غازی ملک تغلق کا باپ سلطان غیاث الدین بلبن کا غلام تھا اس کا نام ملک تغلق تھا۔ فرشتہ: **تاریخ فرشتہ**، مترجم خواجہ عبدالحئی، ۱:۴۰۲، تخت نشینی کے بعد غیاث الدین تغلق نے علائی عہد کے موجود امراء و ملوک کو نوازا اور انہیں مراتب و مناصب عطا کیے۔ ان تمام قدیم خاندانوں کو جو کہ تباہ و برباد ہو چکے تھے بحال کیا۔ اس کے علاوہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو القابات سے نوازا اپنے بڑے بیٹے ملک جونا خان فخر الدین کو الغ خان کا خطاب دے کر اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ (سرہندی، **تاریخ مبارک شاہی**، مترجم ڈاکٹر آفتاب اصغر، (لاہور: اردو سائنس بورڈ، اپریل، ۱۹۸۶ء)، ۱۷۵؛ برنی، **تاریخ فیروز شاہی**، مترجم ڈاکٹر سید معین الحق، (لاہور: اردو سائنس بورڈ، اپریل، ۲۰۰۴ء)، ۶۱۳

[3] برنی، ضیاء الدین، **تاریخ فیروز شاہی**، ۴۳۵

[4] نظامی خلیق احمد، **سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات**، (لاہور: نگارشات ٹیمپل روڈ، ۱۹۹۰ء)، ۳۱۴

[5] آپ بدایوں میں پیدا ہوئے، نام سید محمد تھا۔ بچپن میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا لیکن والدہ نے مشکل حالات کے باوجود نہایت ہمت و عزم کے ساتھ آپ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ آپ بدایوں سے دہلی آئے اور شمس الدین خوارزمی سے "مقامات حریری" اور مولانا کمال الدین محدث سے "مشارق الانوار" پڑھی۔ ۱۲۵۷ء میں اجودھن (پاکپتن) جا کر بابا فرید گنج شکر (۱۱۷۴ء-۱۲۶۵ء) سے بیعت ہوئے اور چار سال بعد خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اس کے بعد واپس دہلی آ کر تبلیغ دین میں مصروف ہو گئے، کرمانی، میر خورد: **سیر الاولیاء**، ۱۰؛ شیخ نظام الدین اولیاء تمام عمر اصلاح نفس اور تہذیب و اخلاق کا نظام قائم کرنے کیلئے کوشاں رہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء کے افکار کی اساس محبت کے تصور پر تھی جو تمام گروہی تعصبات سے بالاتر تھی۔

تخت نشین ہوا تو ابتدا میں اس کے تعلقات آپ کے ساتھ بہتر نہ تھے۔ اس کی بظاہر دو وجوہات ذکر کی جاتی ہیں اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جب غیاث الدین تغلق (غازی ملک) نے دہلی پر حملہ کیا تو خسرو خان[6] نے خزانے کا منہ کھول دیا۔ اور تمام بزرگوں کی خدمت میں کثیر رقوم بھیجیں اور ان سے دعا کرنے کی درخواست کی۔ ان میں سے کچھ بزرگوں نے اس کی رقوم لینے سے ہی انکار کر دیا جبکہ بعض بزرگوں نے یہ رقوم رکھ لیں اور سلطان غیاث الدین تغلق کے اقتدار میں آنے کے بعد واپس سرکاری خزانے میں جمع کرا دیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء کو خسرو نے پانچ لاکھ تنکے (کرنسی) بھجوائے، جب غیاث الدین تغلق تخت پر بیٹھا اور آپ سے رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے وہ ساری رقم اسی وقت غرباء میں تقسیم کر دی تھی۔ اس وجہ سے غیاث الدین اور شیخ نظام الدین اولیاء کے تعلقات میں رنجیدگی پیدا ہوئی۔[7]

دوسری مبینہ وجہ یہ تھی کہ بعض لوگوں نے غیاث الدین تغلق سے خواجہ نظام الدین اولیاء کی روشن خیالی کی شکایت کی کہ شیخ نظام الدین سماع کو درست خیال کرتے ہیں جو حنفی مسلک کی رو سے جائز نہیں۔ اس پر بادشاہ نے بڑے بڑے علماء کو بلایا جن کے مابین بحث ہوئی۔ سماع کے بارے میں بحث و مباحثہ کے بعد بادشاہ شیخ نظام الدین اولیاء کے علم و فضل کا قائل ہو گیا اور یوں باہمی تعلقات بہتر ہو گئے۔[8]

---

[6] قطب الدین خلجی (سلطان علاء الدین خلجی (۱۲۹۵ء۔۱۳۱۶ء) کے بعد چند ماہ کے لیے اس کا بیٹا شہاب الدین ۱۳۱۶ء میں تخت نشین ہوا لیکن کم عمری اور ناتجربہ کاری کے سبب اسے اس کے بھائی قطب الدین مبارک خلجی (۱۳۱۶ء۔۱۳۲۰ء) نے معزول کر دیا اور خود حکمران بن گیا۔ قطب الدین خلجی کو قتل کرنے کے بعد خود خسرو خان ناصر الدین کا لقب اختیار کرتے ہوئے تخت پر بیٹھ گیا۔ ناصر الدین خسرو گجرات کا رہنے والا تھا وہ اور اس کا بھائی بچپن میں مالوہ کی چڑھائی کے دوران اسلامی لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے لیکن خسرو خان نے جلد ہی علائی خواص میں جگہ پالی۔ نو مسلم خسرو خان کا نام حسن تھا وہ پہلوانان گجرات سے تھا قطب الدین خلجی نے اسے خسرو خان کا خطاب دے کر سارے ملکی انتظامات کا مختار بنا دیا۔ سلطان قطب الدین کے دور میں اور زیادہ مقرّب ہو گیا اور نائب مملکت کے عہدے تک جا پہنچا۔ چونکہ حسن پہلے ہندو تھا اس لیے جب اس کا اقتدار قائم ہو گیا تو اس نے اعلانیہ ہندوؤں کو ترقی دینا شروع کی اور مسلمانوں کو خوب ذلیل کیا۔ خسرو خان نے سلطان قطب الدین اور شہزادوں کو تہ تیغ کرنے کے بعد علائی خاندان کو جڑ سے اُکھیڑ دیا۔ جو علائی امراء اس کے مخالف تھے ان سب کو منتشر کر دیا، سرہندی، **تاریخ مبارک شاہی**، مترجم ڈاکٹر آفتاب اصغر، ۱۶۵؛ برنی، **تاریخ فیروز شاہی**، مترجم ڈاکٹر سید معین الحق، ۵۵۷

[7] حامد بن فضل اللہ جمالی، **سیر العارفین**، مترجم محمد ایوب قادری، (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۶ء)، ۳۱۴

[8] کرمانی، محمد بن مبارک سید، میر خورد، **سیر الاولیاء**، (دہلی: در مطبع محب ہند، فیض بازار، ۱۳۰۲ھ)، ۵۲۸

شیخ سلیمان بن زکریا ملتانی جو امام علم الدین ملتانی کے لقب سے معروف تھے۔ آپ حدیث، فقہ اصول اور علوم عربیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ ملتان میں پیدا ہوئے اور وہیں علم و طریقت میں پرورش پائی۔ جب آپ بڑے ہوئے تو مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس، بغداد اور عراق کا سفر کیا، ان علاقوں کے علمائے دین سے علم حاصل کیا پھر برصغیر واپس آگئے اور سلطان غیاث الدین تغلق کے دور میں دہلی آگئے۔ آپ کو اس نزاع و مناظرہ کا حکم مقرر کیا جو سماع کے سلسلہ میں شیخ نظام الدین اولیاء اور قاضی جلال الدین ولوالجی کے درمیان ہوا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے زیر بحث موضوع کے حوالہ سے حدیث بھی پیش کی۔ سلطان اس موقع پر سماع کے بارے میں بحث و مباحثہ کے بعد بادشاہ شیخ نظام الدین اولیاء کے علم و فضل کا قائل ہو گیا اور یوں باہمی تعلقات بہتر ہو گئے۔ شیخ سلمان نے اس کی اباحت کا فیصلہ سنایا، اس مسئلہ سے متعلق آپ کا ایک مستقل رسالہ بھی ہے۔[9]

درحقیقت خواجہ ضیاء الدین سنامی (م ۱۳۲۵ء) کو بھی سماع کے مسئلہ پر سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء سے اختلاف تھا۔ جب خواجہ ضیاء الدین کا آخری وقت تھا تو حضرت سلطان المشائخ عیادت کے لئے گئے۔ خواجہ ضیاء الدین سنامی نے اپنی پگڑی اتار کر حضرت نظام الدین کے پاؤں میں رکھ دی اور اپنی سخت گیری کی معافی چاہی۔ سلطان المشائخ نے پگڑی اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگائی۔ جب خواجہ ضیاء الدین وفات پا گئے تو حضرت نظام الدین اولیاء کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمانے لگے "یک ذات بود حامی شریعت حیف کہ آں نیز نماند" آپ اہل علم صوفیا میں سے تھے اور احکام شریعت پر بہت سختی سے عمل کرتے تھے۔ آپ نے تمام عمر تبلیغ اور درس و تدریس میں گزار دی۔ آپ کی تصانیف میں سے اہم تصنیف "نصاب الاحتساب" ہے۔[10]

مولانا فخر الدین زرادی (م ۱۳۴۷ء)، اپنے دور کے جید عالم تھے۔ اصلاً سامانہ کے رہنے والے تھے۔ کم سنی میں حصول علم میں مشغول ہو گئے مزید علم کی طلب دہلی لے گئی۔ وہاں آپ کے ہم نام عالم دین مولانا فخر الدین ہانسوی کا سلسلہ تدریس جاری تھا، ان کی شاگردی اختیار کی وہاں جو حضرات آپ کے شریک درس تھے ان میں قاضی کمال الدین ہانسوی، اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ آپ ان دنوں صوفیاء کے شدید مخالف تھے شیخ نظام الدین اولیاء پر اس سلسلہ میں سخت تنقید کرتے لیکن ایک دفعہ شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اتنے متاثر ہوئے کہ ان کے حلقہ عقیدت میں شامل ہو گئے، ان سے خرقہ

---

[9] عبد الحئ حسنی، نزہۃ الخواطر، وبہجۃ المسامع والنواظر، (ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، چوک فوارہ، ۱۹۹۳ء)، ۲: ۵۰

[10] اکرام، محمد شیخ، آب کوثر، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، ۱۹۹۴ء)، ۱۷۶

تصوف پہنا اور عمر بھر کے لئے شیخ سے وابستگی اختیار کر لی لیکن ساتھ ہی درس و افادہ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ آپ کا حلقہ درس بہت وسیع تھا، بے شمار طلباء نے آپ سے علم حاصل کیا جن میں شیخ سراج الدین عثمان اودھی، مولانا رکن الدین اور ان کے بڑے بھائی مولانا صدر الدین اندرپتی، شیخ محمد بن مبارک کرمانی (صاحب سیر الاولیا)، ان کے چچا حسین بن محمود شامل ہیں آپ کی تصنیفات درج ذیل ہیں:

۱۔ رسالہ عثمانیہ جو علم صرف سے متعلق ہے یہ رسالہ آپ نے شیخ سراج الدین عثمان اودھی کے لیے تحریر کیا۔

۲۔ الخمسین یہ رسالہ علم الکلام کے ان مسائل پر مشتمل ہے جنہیں اہل علم بہت مشکل قرار دیتے ہیں۔

سماع کی اباحت میں دو رسالے تصنیف کیے:

۱۔ کشف القناع عن وجوہ السماع ۲۔ اصول السماع [11]

سلطان محمد بن تغلق [12] (۱۳۲۵ء۔ ۱۳۵۱ء) برصغیر کی تاریخ میں عظیم المرتبت حکمرانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس نے دین وسیاست کے بنیادی مسائل پر کافی غور وخوض کیا اور اپنے انداز میں دور کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اس دور میں برصغیر میں تین روحانی سلسلے موجود تھے چشتیہ، [13] سہروردیہ [14] اور فردوسیہ [15]۔ دہلی،

---

[11] عبد الحئ حسنی، **نزہۃ الخواطر**، ۲: ۱۰۳

[12] سلطان محمد شاہ، سلطان غیاث الدین تغلق کا بڑا بیٹا تھا۔ اس کا اصل نام فخر الدین محمد جونا خان تھا۔ ۱۳۲۵ء میں تخت سلطنت سنبھالا اور اس کے چالیس دن بعد تغلق آباد سے دہلی آیا۔ سلطان محمد بن تغلق ایک عالم فاضل اور ذہین بادشاہ تھا۔ وہ بہترین خطاط اور علم و ادب کا سرپرست تھا اس کی حکومت کے ابتدائی دس سال امن و خوشحالی کے تھے۔ اسی زمانے میں محمد بن تغلق نے ۱۳۲۶ء میں دارالسلطنت دہلی سے دولت آباد منتقل کر دیا لیکن جب لوگوں کی مشکلات کا علم ہوا تو دس سال بعد اپنے اس فیصلہ کو منسوخ کر دیا اور ۱۳۳۷ء میں دہلی پھر دارالحکومت ہو گیا۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ اس کے زمانہ میں ہندوستان آیا اور اس نے اس دور کے حالات، رسم و رواج اور درباری عادات اور رسوم کے بارے میں کافی معلومات فراہم کی ہیں۔ محمد بن تغلق نے خزانے میں روپیہ کی کمی کو پورا کرنے کے لیے تانبے کا سکہ بنوایا اور حکم دیا کہ لین دین میں اسے چاندی کے سکہ کے برابر قبول کیا جائے لیکن یہ جدّت کامیاب نہ ہو سکی اور ۱۳۳۳ء میں اسے منسوخ کر دیا گیا۔ محمد بن تغلق کی سلطنت میں تقریباً تمام ہندوستان شامل تھا اس سے پہلے کسی اور بادشاہ کی ماتحت سلطنت کا اس قدر وسیع رقبہ نہیں رہا۔ سرہندی، **تاریخ مبارک شاہی**، مترجم ڈاکٹر آفتاب اصغر، ۱۸۰

[13] برّصغیر میں چشتیہ سلسلہ کا باقاعدہ آغاز خواجہ معین الدین چشتی کی آمد سے ہوا، آپ ۱۱۶۰ء میں بغداد، ہرات تبریز اور بلخ سے ہوتے ہوئے براستہ غزنی لاہور پہنچے۔ لاہور سے آپ ملتان آئے اور پانچ برس وہاں مقیم رہ کر ہندوؤں کی زبان (سنسکرت) سیکھی۔ یہاں سے آپ دہلی تشریف لے گئے اور دہلی سے ۱۱۶۵ء میں اجمیر گئے اور وہیں مستقل قیام پذیر ہو کر تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کیا۔

(خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت، ص 145 دارالمؤلفین، اسلام آباد) خواجہ **معین الدین چشتی** (۱۱۴۲ء۔۱۲۳۲ء) سجستان میں پیدا ہوئے لیکن آپ کی تعلیم و تربیت خراسان میں ہوئی ابھی پندرہ سال کے تھے کہ یتیم ہو گئے اس کے بعد آپ نے سمرقند کا رخ کیا وہاں مزید تحصیل علم کی اور قرآن مجید حفظ کیا اس کے بعد عراق چلے گئے راستہ میں قصبہ ہرون (نیشاپور کے نواح میں ہے) میں خواجہ عثمان ہرونی چشتی کی خدمت میں حاضر ہوئے ایک عرصہ ان کی خدمت میں رہے اور کمال مجاہدہ اور ریاضت کے بعد ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا، حامد بن فضل اللہ جمالی، **سیر العارفین**، مترجم محمد ایوب قادری، (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۶ء)، ۶۸ ؛ چشت نام کے دو مقام ہیں ایک شہر خراسان میں ہرات کے قریب واقع ہے دوسرا چشت ہندوستان میں۔ اُچ اور ملتان کے درمیان ایک قصبہ ہے، خواجگان چشت۔ خراسان والے چشت سے تعلق رکھتے ہیں، حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی (م ۹۴۰ء) پہلے بزرگ ہیں جن کے نام کے ساتھ تذکروں میں چشتی لکھا ہوا ملتا ہے۔ خواجہ اسحاق شام کے رہنے والے تھے اپنے وطن سے چل کر بغداد آئے اور خواجہ ممشاد علو دنیوری (م ۹۱۰ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ اپنے زمانہ کے مرتاض بزرگ تھے جب خواجہ اسحاق سے آپ نے ان کا نام دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہا ابو اسحاق شامی، جس پر خواجہ ممشاد علی دنیوری نے کہا کہ آج سے لوگ تجھے ابو اسحاق چشتی کہہ کر پکاریں گے، چشت اس کے نواح کے لوگ تجھ سے ہدایت پائیں گے اور ہر وہ فرد جو تیرے سلسلہ ارادت میں داخل ہو گا، اس کو قیامت تک چشتی کہہ کر پکاریں گے، خلیق احمد نظامی، **تاریخ مشائخ چشت**، (اسلام آباد: دارالمؤلفین)، ۱۳۵۔۱۳۷

14 شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (۱۱۷۲ء۔ ۱۲۶۲ء) نے ہندوستان میں تصوف کے مقبول سہروردیہ سلسلہ کی داغ بیل ڈالی، خود انہوں نے اس روحانی سلسلہ کے سرچشمہ سے فیض حاصل کیا تھا۔ شیخ کی بدولت ملتان اور اس کے گردو پیش کا علاقہ صدیوں تک سہروردی تعلیمات کا گہوارہ رہا اور کسی دوسرے سلسلہ کو یہاں مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ سہروردی صوفیاء امور شرعی میں کافی محتاط تھے، خلاف شرع امور پر وہ فوراً ناپسندیدگی کا اظہار کرتے۔ شیخ بہاء الدین زکریا کے دادا مکہ مکرمہ سے پہلے خوارزم اور وہاں سے مضافات ملتان میں تشریف لائے۔ شیخ بہاء الدین زکریا کی عمر جب بارہ سال تھی تو آپ کے والد کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد آپ خراسان چلے گئے اور وہاں سات سال تک علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تکمیل کی پھر بخارا میں اس سلسلہ کو جاری و ساری رکھا، بعد ازاں حج کے لیے تشریف لے گئے اور مدینہ میں پانچ برس رہ کر وہاں کے مشہور محدث شیخ کمال الدین محمد یمنی سے حدیث کی سند لی۔ پھر بغداد تشریف لائے اور شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۱۲۳۴ء) کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ یہاں سترہ دن قیام کے بعد مرشد سے خلافت حاصل کر کے برصغیر آئے اور ملتان میں سہروردیہ سلسلہ کی خانقاہ قائم کی، نور احمد خان فریدی، **تاریخ ملتان**، (ملتان: قصر الادب رائٹرز کالونی، ۱۹۷۲ء)، ۱: ۱۴۱

15 سہروردی سلسلہ کی ایک شاخ فردوسی سلسلہ ہے۔ اس سلسلہ کو برصغیر میں شیخ بدر الدین سمرقندی (م ۱۳۱۵ء) نے متعارف کروایا۔ یہ سلسلہ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے دور میں عروج کو پہنچا۔ انہوں نے بہار میں اس سلسلہ کا مرکز قائم کیا۔ آپ نے صوفیانہ افکار کی ایک نئی تشریح کی اور درمیانی راستہ اختیار کیا۔ پہلے تین فردوسی صوفی شیخ بدر الدین سمرقندی، شیخ رکن الدین فردوسی (م ۱۳۲۳ء) اور شیخ نجیب الدین فردوسی (م ۱۳۳۲ء) نے دہلی کو اپنی تبلیغ کا مرکز بنایا۔ شیخ رکن الدین جو شیخ نجم الدین کبریٰ کی روحانی اولاد تھے انہیں

بدایوں، اجودھن، ہانسی اور ناگور وغیرہ میں چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم تھیں۔ ملتان اور اوچ میں سہروردی مشائخ موجود تھے۔ فردوسیہ سلسلہ کے کچھ مراکز لوگوں کی باطنی اصلاح کے لئے بہار میں تھے۔ سلاطین وقت سے تعلقات کے سلسلہ میں تینوں سلاسل کا نقطہ نظر مختلف تھا۔ چشتی صوفیا حکمرانوں سے تعلقات رکھنا پسند نہیں کرتے تھے، لہٰذا وہ سرکاری عہدوں اور زمینوں کو لینا اپنے مسلک کے خلاف گردانتے تھے۔ سہروردی صوفیاء حکومت سے تعلقات رکھنے کے ساتھ ساتھ ملکی سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے۔ فردوسیوں کے اس سلسلہ میں کوئی واضح اصول نہیں تھے لیکن وہ بھی سیاست سے پرہیز کرتے تھے۔ محمد بن تغلق نے مشائخ وقت سے اپنی صلاحیتوں کو ریاستی نظام کے تحت لانے کا تقاضا کیا جس پر چشتی سلسلہ نے اسے اپنی روحانی آزادی کا خاتمہ سمجھتے ہوئے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ سہروردی سلسلہ نے اس فیصلہ سے اتفاق کیا اور سلطان سے تعاون کے لئے تیار ہو گئے۔ سلطان کے اس فیصلہ سے ایسی باہمی کشمکش کا دور شروع ہوا جس نے مذہب وسیاست دونوں کو نقصان پہنچایا۔ محمد بن تغلق نے صوفیاء کے تصور ولایت، خانقاہی نظام کو درہم برہم کرنے کے لئے جو کوششیں کیں وہ امام ابن تیمیہ (م۱۳۲۸ء) کی تحریک وتصورات سے مشابہت رکھتی ہیں۔ میر خورد کا بیان ہے کہ سلطان صوفیانہ لباس کا بہت مخالف تھا اور اہل تصوف کا لباس بدل دیتا تھا۔[16]

پہلی دفعہ فردوسی کا خطاب ملا۔ شیخ نجم الدین کبریٰ کے سلسلہ کو کبرویہ کہا جاتا ہے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ، شیخ زید الدین ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی (م۱۱۶۷ء) کے شاگرد تھے۔ لہٰذا فردوسی سلسلہ بنیادی طور پر سہروردی سلسلہ کی شاخ کبرویہ کی ایک شاخ تھا۔ شیخ رکن الدین فردوسی شیخ امام الدین کے بیٹے تھے۔ آپ اپنے والد اور بڑے بھائی نظام الدین کے ہمراہ سید میر خورد کے پاس آئے جو اپنے دور کے مشہور ولی تھے۔ سید میر خورد نے شیخ رکن الدین کو شیخ بدر الدین سمرقندی کے پاس مزید روحانی تعلیم کے لئے بھیجا۔ آپ بعد میں ان کے خلیفہ بھی بنے۔ شیخ بدر الدین سمرقندی نے شیخ رکن الدین کو پہلی دفعہ فردوسی کا خطاب دیا۔ شیخ شرف الدین منیری کے مطابق شیخ رکن الدین نے پہلی مرتبہ عرس بطور ادارہ متعارف کروایا، غلام سرور، **خزینۃ الاصفیا**، ۲:۱۸۰؛ جب سلطان معزالدین کیقباد نے کیلوکھڑی میں ایک خوبصورت محل تعمیر کروایا تو شیخ رکن الدین نے وہاں ایک خانقاہ بنائی۔ شیخ نجیب الدین فردوسی، شیخ رکن الدین فردوسی کے سوتیلے بھائی، شاگرد اور خلیفہ تھے۔ آپ نے اپنے بڑے بھائی کی زیر نگرانی اپنی تعلیم مکمل کی۔ آپ نے شہرت کی بجائے خلوت نشینی کی زندگی اختیار کی۔ آپ کا کہنا تھا کہ اولیاء اللہ خود کو لوگوں سے مخفی رکھتے ہیں، صرف خدا تعالیٰ انہیں جانتا ہے۔ آپ دہلی میں رہے اور وہیں ۱۳۳۲ء میں وفات پائی، غلام سرور، **خزینۃ الاصفیا**، مترجم پیر زادہ اقبال احمد فاروقی، (لاہور: مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، ۱۹۹۰ء)، ۲: ۲۸۸

[16] میر خورد، **سیر الاولیاء**، ۲۷۳

ملتان، جہاں سہروردی سلسلہ کی سب سے بڑی خانقاہ تھی، اپنی جغرافیائی، تمدنی اور اور سیاسی اہمیت کی بنا پر ہمیشہ حکمرانوں کی توجہ کا مرکز رہا۔ محمد بن تغلق یہاں کی خانقاہی زندگی پر اپنا اثر قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا اور سہروردی خانقاہ کو ایک حکومتی شعبہ میں تبدیل کر دیا۔ شیخ رکن الدین ابو الفتح ملتانی (م ۱۳۳۴ء) اور آپ کے بھائی عماد الدین کے محمد بن تغلق سے اچھے تعلقات تھے۔ شیخ رکن الدین کسی آدمی کو اپنی خانقاہ میں اس وقت تک نہیں ٹھہراتے تھے جب تک کہ والی ملتان سے اجازت حاصل نہ کرلیں۔ (موجودہ دور کے تناظر میں اگر اسے دیکھا جائے تو یہ بات زیادہ مناسب لگتی ہے)۱۳۴۰ء میں جب کشلو خان (بہرام ایبہ) نے ملتان میں سلطان محمد بن تغلق کے خلاف بغاوت کی اور سلطان لشکر لے کر بڑھا تو شیخ رکن الدین نے ملتان سے چند منزل باہر نکل کر اس کا استقبال کیا۔ آپ اور آپ کے بھائی شیخ عماد الدین نے سلطان محمد بن تغلق کا ساتھ دیا بلکہ شیخ عماد الدین کی شہادت بھی اسی ہنگامہ میں ہوئی۔[17] اس مہم میں کامیابی کے بعد سلطان نے حکم دیا کہ جنہوں نے بہرام ایبہ کا ساتھ دیا تھا ان کا قتل عام کیا جائے، ایک ہفتہ تک ملتان میں یہ خون خرابہ ہوتا رہا، شیخ رکن الدین اس ہفتہ میں عزلت گزیں تھے۔ جب آپ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ننگے پاؤں بادشاہ کے پاس گئے اور اہل شہر کی سفارش کر کے ان کی جانیں بچائیں۔[18] آپ کا مزار قلعہ ملتان کے اندر ایک روضے میں ہے۔[19] آپ کی وفات کے ساتھ مغربی پنجاب اور سندھ کا روحانی مرکز ملتان سے اوچ منتقل ہو گیا جہاں آپ کے خلفاء مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور شیخ وجیہہ الدین عثمان سیاح وغیرہ نے علم و ہدایت کی شمعیں روشن کیں۔[20]

---

[17] عماد الدین کی شکل بادشاہ سے ملتی تھی چنانچہ کشلو خان کی لڑائی کے وقت مخالفین نے عماد الدین کو بادشاہ سمجھ کر مار ڈالا۔ اس پر محمد بن تغلق نے شیخ رکن الدین کو سو گاؤں خانقاہ کی جاگیر کے طور پر عطا کیے کہ ان کی آمدنی خانقاہ کے لنگر پر خرچ کرے۔ اردو ترجمہ برصغیر سے متعلق حصہ دوم بعنوان **عجائب الاسفار**، مترجم مولوی محمد حسین، (اسلام آباد: قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، ۱۹۸۳ء)، ۱۵۲

[18] برنی، ضیاء الدین، **تاریخ فیروز شاہی**، ۴۷۹

[19] شیخ رکن الدین عالم کا مقبرہ ملتان میں پچاس فٹ بلندی پر تعمیر کیا گیا کل بلندی سو فٹ ہے۔ اس عمارت کو غیاث الدین تغلق نے اپنے لئے بنوایا تھا لیکن محمد بن تغلق نے محبت یا مصلحت کی وجہ سے وہ شاہ رکن عالم کو دے دیا اور اپنے باپ کا مقبرہ تغلق آباد میں بنوایا، ابن بطوطہ، **عجائب الاسفار**، ۲۵

[20] اکرام، محمد شیخ، **آب کوثر**، ۲۶۷

شیخ رکن الدین روحانی صلاحیتوں اور روحانی اقتدار کے مالک تھے انہوں نے اس سلسلہ کے نظام کو بخوبی چلایا۔ ان کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ان کے پوتے شیخ ہود خانقاہ کے متولی مقرر ہوئے۔ لیکن شیخ رکن الدین کے بھتیجے نے یہ تنازعہ کیا کہ میں اپنے چچا کی میراث کا زیادہ مستحق ہوں۔ یہ دونوں محمد بن تغلق کے پاس دولت آباد گئے تو اس نے شیخ رکن الدین کے وصیت کے مطابق شیخ ہود کو سجادہ نشین مقرر کر دیا۔[21] شیخ ہود دولت آباد سے ملتان آئے تو سلطان محمد بن تغلق نے ان کے ساتھ شیخ نور الدین شیرازی کو ساتھ کیا تا کہ وہ ان کے ساتھ ملتان جا کر ان کو ان کے دادا کا سجادہ نشین کریں۔ محمد بن تغلق روحانی سلاسل کو اپنے زیر اثر لانے کے لئے مسلسل کوشش کر رہا تھا لیکن کامیاب نہ ہو پایا تھا۔ مگر اب اس کے نمائندہ شیخ ہود کی سجادہ نشینی کے بعد سہروردی سلسلہ کا پورا نظام اس کے قابو میں تھا۔[22] شیخ رکن الدین کی جاگیر بھی شیخ ہود کے نام بحال رکھی گئی لیکن اس سب کے باوجود سلطان سے تعلقات اچھے نہ رہ پائے۔ ابن بطوطہ نے اپنی کتاب میں اس کا تذکرہ کیا ہے کہ حاکم سندھ عماد الملک نے سلطان کو خبر کی کہ شیخ ہود اور اس کے رشتہ دار مال جمع کرتے ہیں اور اسے بے مقصد کاموں میں خرچ کرتے رہتے ہیں نیز خانقاہ میں کسی کو کھانا نہیں کھلاتے۔ سلطان یہ سن کر خفا ہوا اور تمام مال ضبط کرنے کا حکم دیا۔ جب تمام خاندان پر سختی کی گئی اور مال وصول کیا گیا تو شیخ ہود نے ترکستان جانے کا ارادہ کیا لیکن گرفتار ہو گئے، انہیں سلطان کے پاس پہنچایا گیا، سلطان نے پوچھا کہ کہاں کا ارداہ تھا لیکن شیخ ہود سے کوئی جواب نہ بن پڑا، سلطان نے کہا کہ آپ ترکستان جانا چاہتے تھے تا کہ وہاں کی حکومت اور عوام کو میرے خلاف کر سکیں کہ میں بہاء الدین زکریا ملتانی کا بیٹا ہوں اور سلطان نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے، ترکوں کو اپنے ساتھ مدد کرنے کے لئے لے آتے، سلطان نے وہیں شیخ ہود کو قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا، برصغیر میں کسی سجادہ نشین شیخ کا یہ پہلا قتل تھا۔[23]

یہ امر لائق ذکر ہے کہ چشتیہ سلسلہ کے بنیادی اصول (عمومی طور پر حکمرانوں سے فاصلہ) محمد بن تغلق کے بنیادی تصورات سے میل نہیں کھاتے تھے لہٰذا ان دونوں کے مابین تعلقات بالعموم خوش گوار نہ تھے۔ مولانا فخر الدین زرادی (م ۱۳۴۷ء) شیخ نصیر الدین چراغ دہلی (م ۱۳۵۶ء)، اور شیخ قطب الدین منور، خواجہ نظام الدین اولیاء کے ان خلفاء میں سے تھے جو سختی سے اپنے شیخ کے اصولوں پر کاربند رہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ چشتی صوفیاء

---

[21] شیخ ہود شیخ رکن الدین کے بھتیجے کے مقابلہ میں عمر میں زیادہ تھے جبکہ وہ ابھی نوجوان تھا، ابن بطوطہ، **عجائب الاسفار**، ۱۵۲

[22] نظامی خلیق احمد، **سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات**، ۳۵۶

[23] ابن بطوطہ، **عجائب الاسفار**، ۱۵۳

نے دارالحکومت میں اپنی خانقاہ قائم کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا جیسے سلطان شمس الدین التمش (۱۲۱۱ء۔۱۲۳۶ء) کے عہد میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (۱۱۸۶ء۔۱۲۳۵ء) نے دہلی میں مرکز قائم کیا جہاں بعد ازیں شیخ نظام الدین اولیاء اور شیخ عثمان بھی مقیم رہے۔ اسی طرح سلطان محمد بن تغلق کے عہد میں دولت آباد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی تو شیخ نظام الدین اولیاء کے خلفاء میں سے شیخ محمد بن محمود ہانسوی اور امیر حسن سنجری نے اس کو اپنا مرکز بنایا۔

اس دور کے چشتی صوفیاء میں شیخ علاء الدین اجودھنی کا نام نمایاں ہے جو حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر کے پوتے تھے۔ آپ عبادت وریاضت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ضیاء الدین برنی نے آپ کے متعلق لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیخ فرید گنج شکر کے پوتے شیخ علاء الدین کو مجسم عبادت پیدا کیا ہے۔[24] آپ کے رعب و دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی آدمی ان کے جماعت خانہ میں پناہ لے لیتا تو پھر کسی اور آدمی کو یہ جرات نہ ہوتی تھی کہ اسے زبردستی وہاں سے لے جائے خواہ وہ بادشاہ وقت ہی کیوں نہ ہو۔ شیخ علاء الدین نے اپنی زندگی کے چوون سال شیخ فرید گنج شکر کے دربار پر اس طرح گزارے کہ صرف جمعہ نماز کے لئے جماعت خانہ سے باہر نکلتے۔ محمد بن تغلق آپ کے افکار و کردار سے کسی حد تک متاثر تھا۔[25] آپ کو درباری زندگی پسند نہ تھی جبکہ شیخ علم الدین اور شیخ معز الدین، جو آپ کے بیٹے تھے، ان کے محمد بن تغلق سے سیاسی تعلقات تھے۔ شیخ علم الدین کو شیخ الاسلام بنادیا گیا اور شیخ معز الدین کو ایسے وقت میں گجرات کے انتظامی کام سپرد کیے گئے جب وہ صوبہ باغیانہ تحریکوں کا گڑھ بنا ہوا تھا اور اسی دوران کسی باغی کے ہاتھوں آپ شہید ہو گئے۔[26] یوں وہ لوگ جو ابھی اس سلسلہ سے وابستگی میں زیادہ پختہ نہیں تھے، حکومتی پالیسیوں سے متاثر ہو کر ان کا ساتھ دینے لگ گئے۔ محمد بن تغلق کی اس پالیسی کے سبب چشتیہ سلسلہ یکجا نہ رہ سکا۔ جن چشتی مشائخ کے ذمہ حکومتی امور لگائے گئے وہ انہیں بخوبی سرانجام نہ دے سکے۔ شیخ فرید الدین گنج شکر (۱۱۷۵ء۔۱۲۶۵ء) کے خاندان کے کئی افراد اور شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدین کے اکثر گھرانے خانقاہوں کو چھوڑ کر سیاست سے وابستہ ہو گئے۔[27]

---

[24] برنی، ضیاء الدین، **تاریخ فیروز شاہی**، ۳۴۷

[25] نظامی خلیق احمد، **سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات**، ۳۴۹

[26] میر خورد، **سیر الاولیاء**، ۱۹۶

[27] ایضاً

شیخ کمال الدین مالوی، بن بایزید بن نصیر الدین بن فرید الدین مسعود اجودھنی کا تعلق بابا فرید گنج شکر کی اولاد سے تھا۔ نیکی اور تقوی میں اپنی مثال آپ تھے، علم فقہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ چشتیہ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ علم طریقت شیخ نظام الدین اولیاء سے حاصل کیا۔ پھر انہی کی ہدایت پر مالوہ تشریف لے گئے اور وہاں کے لوگوں میں رشد وہدیت کو جاری کیا۔ آپ کی تبلیغ سے بے شمار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ آپ مالوہ کے گاؤں (دھار) میں مقیم تھے۔ آپ کا حلقہ اثر بہت وسیع تھا۔[28]

شیخ عثمان بن داؤد ملتانی (م۱۳۳۶ء) فقہ، اصول اور تصوف میں مشہور تھے، آپ مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ طریقت کی تعلیم حضرت نظام الدین اولیاء سے حاصل کی اور عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے پھر حج کے لیے حرمین شریفین چلے گئے۔ وہاں سے واپس برصغیر جب آئے تو دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں نظام الدین اولیاء سے ملاقات کی اس کے بعد پھر مدینہ منورہ کا ارادہ کیا، وہاں سے واپس آکر دہلی میں مقیم ہوگئے محمد بن تغلق جب دولت آباد گیا تو آپ گجرات چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ، اصول کی بزودی اور تصوف وسلوک کی قوت القلوب اور غزالی کی احیاء العلوم حفظ تھیں۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے 1324ء میں دعوت وارشاد کے لیے جن دس بزرگوں کو اپنے خلفاء مقرر کیا تھا آپ ان میں سے ایک تھے۔[29]

شیخ فخر الدین مروزی (م۱۳۳۶ء)، نے تصوف اور طریقت کی تعلیم وتربیت شیخ نظام الدین اولیاء سے حاصل کی۔ آپ زہد وفقاہت میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ تربیت حاصل کرنے کے بعد جب عملی زندگی میں قدم رکھا تو اپنی تمام زندگی لوگوں کی تعلیم وتربیت کے لیے وقف کردی۔ شیخ فخر الدین مروزی نے لوگوں کو خلاف شریعت کاموں اور بدعت سے روکا۔ آپ نے سلطان محمد بن تغلق کے عہد میں ۱۳۳۶ء میں وفات پائی۔[30]

شیخ محمد بن محمود ہانسوی، (۱۲۵۶ء۔۱۳۳۷ء) آپ عالم وصالح بزرگ تھے، آپ کا لقب شیخ برہان الدین بزرگ تھا۔ آپ ہانسی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی پھر دہلی چلے گئے۔ وہاں فقہ، اصول اور علوم عربیہ کی تعلیم اس دور کے مشہور اساتذہ سے حاصل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ ۱۲۹۴ء میں شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باقاعدہ ان کے حلقہ بیعت میں داخل ہوئے اپنے شیخ کی زندگی کے آخری دم تک دہلی

---

[28] عبد الحئ حسنی، **نزہۃ الخواطر**، ۲: ۱۲۱

[29] ایضاً، ۲: ۲۷۶

[30] ایضاً، ۲: ۱۰۹

میں ان کی خدمت میں حاضر رہے۔ ان کی وفات کے بعد آپ ۱۳۲۴ء میں دولت آباد چلے گئے اور پھر تمام عمر وہیں سکونت اختیار کیے رکھی۔ آپ بہت بڑے عالم دین، فقیہ اور صاحب وجد وحال تھے۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا، جن میں شیخ زین الدین داؤد بن حسن شیرازی، شیخ فرید الدین، شیخ کمال الدین کاشانی، شیخ رکن الدین بن عماد الدین کاشانی وغیرہ شامل ہیں۔ شیخ رکن الدین بن عماد الدین نے نفائس الانفاس میں، ان کے بھائی حماد الدین بن عماد الدین نے احسن الاقوال میں اور دوسرے بھائی مجد الدین بن عماد الدین نے بقیۃ الغرائب میں آپ کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔ والی دکن امیر نصیر خان کے آپ سے اچھے تعلقات تھے چنانچہ اس نے دکن میں آپ کے نام پر "برہان پور" نام کا ایک شہر آباد کیا۔[31]

سلطان غیاث الدین تغلق اور محمد بن تغلق کے ادوار کی ایک اور علمی اور روحانی شخصیت امیر حسن سنجری (۱۲۵۲ء۔۱۳۳۹ء) کی ہے۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء سے تربیت حاصل کی، امیر حسن سنجری شاعر تھے۔ امیر حسن کا پورا نام خواجہ نجم الدین حسن سجستانی تھا کیونکہ آپ کے آباؤاجداد سجستان کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد کا نام علاء الدین حسن تھا۔ آپ جب بڑے ہوئے تو امیر خسرو کے ساتھ غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶ء۔۱۲۸۷ء) کے بیٹے شہزادہ محمد جو خان شہید (م ۱۲۸۴ء) بھی کہلایا، کی ملازمت اختیار کرلی۔ امیر خسرو اور امیر حسن سنجری کے درمیان گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ جب شہزادہ محمد "خان شہید" مغلوں کے خلاف لڑتے ہوئے مارا گیا تو امیر حسن نے اپنے جذبات اور دکھ کا اظہار فارسی نثر میں کیا۔ امیر حسن سنجری کی سب سے مشہور تصنیف "فوائد الفواد" ہے، جو شہرت آپ کی اس کتاب کو ملی ہے وہ برصغیر پاک وہند میں کسی اور تصنیف کو نہیں مل سکی۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنے مرشد کے ملفوظات قلم بند کیے ہیں۔ فوائد الفواد کی اہمیت صرف اس لئے نہیں ہے کہ یہ کتاب ایک عظیم صوفی دانشور کے افکار تک رسائی کا ایک ذریعہ ہے بلکہ یہ کتاب اس لئے بھی اہم ہے کہ اس سے برصغیر میں صوفیانہ ادب کی ایک اہم فلسفیانہ صنف کا آغاز ہوا۔ امیر حسن سنجری سلطان محمد بن تغلق کے دور تک زندہ رہے۔ جب سلطان محمد بن تغلق کے دور میں دولت آباد کو نیا دار لحکومت بنایا گیا تو آپ بھی دولت آباد چلے گئے۔ امیر حسن کا فارسی دیوان حیدر آباد دکن میں چھپ چکا ہے۔[32]

---

[31] اسحاق بھٹی، محمد، **فقہائے ہند**، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، ۱۹۷۴ء)، ۱: ۲۸۷

[32] اکرام، محمد شیخ، **آب کوثر**، ۱۷۷

شیخ حسین بن محمد کرمانی (م ۱۳۵۲ء)، شیخ قطب الدین دہلوی کے نام سے مشہور تھے۔ صالح اور عالم شخص تھے، آپ نے مولانا فخر الدین زرادی سے علم ظاہری حاصل کیا اور شیخ نظام الدین اولیاء سے طریقت و تصوف کی تعلیم پائی۔ ابتدائے حیات سے زمانہ کہولت تک ان کی مصاحبت میں رہے۔ ان کے شاگرد اور کاتب تھے۔ ۱۳۳۲ء میں سلطان محمد شاہ تغلق کے حکم سے دہلی سے دیو گیر منتقل ہو گئے۔[33]

شیخ عثمان اودھی (م ۱۳۵۶ء)، کالقب سراج الدین تھا۔ اونچے درجہ کے سالکین اور اولیاء میں سے تھے۔ جوانی کے زمانہ میں دہلی گئے اور شیخ نظام الدین سے ملاقات کی۔ آپ صورت و سیرت کی تمام خوبیوں سے آراستہ تھے لیکن فضائل علمیہ سے عاری تھے جس کی وجہ سے شیخ نظام الدین اولیاء آپ پر نہایت تاسف کا اظہار کرتے اور فرمایا کرتے کہ جاہل صوفی شیطان کا کھلونا ہوتا ہے۔ اس پر مولانا فخر الدین زرادی نے آپ کو تعلیم دلانے کا ارادہ کیا اور آپ کے لیے علم صرف کے موضوع پر ایک مختصر رسالہ تصنیف کیا جس کا نام آپ کے نام کی مناسبت سے "عثمانیہ" رکھا اور جب تک ان کا قیام غیاث پور میں رہا وہ آپ کی تعلیم کے لئے کوشاں رہے۔ پھر آپ نے شیخ علاء الدین اندر پتی سے رابطہ پیدا کر لیا اور ان سے علم نحو کی کتابوں میں کافیہ اور مفصل اور کتب فقہ میں قدوری اور مجمع البحرین پڑھیں۔ غرض شیخ نظام الدین اولیاء کی وفات کے بعد تین سال تک آپ حصول علم میں مشغول رہے یہاں تک کہ علوم میں مہارت پیدا کر لی اور افتاء و تدریس کی اہلیت و صلاحیت سے بہرہ ور ہو گئے۔ اس کے بعد بنگال کا سفر اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ نے ولایت کی اونچی منزل پر پہنچا دیا۔[34]

شیخ نصیر الدین چراغ دہلی (م ۱۳۵۶ء) شیخ محمود بن یحییٰ بن عبد الطیف حسینی اودھی، آپ کے دو القاب تھے نصیر الدین محمود گنج اور چراغ دہلی۔ آپ کے جد امجد شیخ عبد اللطیف یزدی خراسان سے لاہور تشریف لائے بعد ازاں علاقہ اودھ میں منتقل ہو گئے۔ شیخ محمود حصول علم میں نہایت دلچسپی رکھتے تھے۔ ہدایۃ الفقہ اور اصول بزودی تک کتب درسیہ مولانا عبد الکریم شروانی سے پڑھیں، ان کی وفات کے بعد مولانا افتخار الدین محمد گیلانی کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق ہدایۃ الفقہ شیخ فخر الدین ہانسوی سے اور اصول بزودی قاضی محی الدین کاشانی سے پڑھیں اور بعض کتب کے لیے شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی کی شاگردی اختیار کی۔ پچیس سال کی عمر میں آپ حصول علم سے فارغ ہو گئے اور تمام علوم مروجہ پر عبور حاصل کر لیا۔ تینتالیس سال کی عمر میں

---

[33] اسحاق بھٹی، محمد، **فقہائے ہند**، ا: ۲۰۶

[34] عبد الحئ حسنی، **نزہۃ الخواطر**، ۲: ۷۷

آپ شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تصوف و طریقت کا درس لیا۔ آپ ۱۳۲۴ء میں ان کے خلیفہ مقرر ہوئے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے بعد چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام کو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے سنبھالا۔ آپ نے اپنے سلسلہ کا کام انتہائی نامساعد حالات میں کیا۔ کسی دور میں آپ کی یہ خواہش تھی کہ کسی کونے میں بیٹھ کر اپنی تمام زندگی عبادت میں بسر کریں لیکن نظام الدین اولیاء کو جب آپ کی اس خواہش کا پتہ چلا تو انہوں نے امیر خسرو کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ انہیں خلق میں رہنا چاہیے اور لوگوں کے جوروو ظلم برداشت کرنے چاہئیں اور ان کے بدلہ میں ایثار و سخاوت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔[35] سلطان وقت محمد بن تغلق نے کئی طرح سے آپ کو پریشان کیا لیکن آپ ایک مضبوط چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے اور ہمت و استقلال کے ساتھ کام کرتے رہے۔ محمد بن تغلق سے خرابی تعلقات کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ کسی طور اپنے مرشد کے طریقہ سے انحراف کر کے حکومت وقت سے رابطہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تھے۔[36] آپ کی خانقاہ میں عقیدت مندوں کے ہجوم کا یہ حال ہوتا تھا کہ آپ کو سونے تک کا وقت نہ ملتا۔ مسلم ہند کی تاریخ کا یہ ایک عجیب واقعہ ہے کہ جس وقت چشتیہ سلسلہ کا دور اول ختم ہوا اسی وقت سلطنت دہلی کی بھی مرکزی حیثیت فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ء۔۱۳۸۸ء) کے بعد ختم ہو کر رہ گئی۔[37]

شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری (۱۲۶۳ء۔۱۳۷۱ء)، آپ فردوسیہ سلسلہ کے سب سے مشہور بزرگ تھے۔ آپ جنوبی بہار کے قصبہ منیر میں پیدا ہوئے، آپ کا لقب شرف الدین تھا۔۔ شیخ شرف الدین کے والد مخدوم یحییٰ منیری بھی ایک صاحب علم اور صاحب ذوق بزرگ تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اس وقت کے رواج کے مطابق مکتب سے ہی حاصل کی۔ اس زمانہ میں مصادر، مفتاح اللغات اور دوسری کتب بھی پڑھیں، مفتاح اللغات آپ نے زبانی یاد کی۔ آپ کے مکتوبات کا ایک مجموعہ مکتوبات صدی کے نام سے مشہور ہے۔[38] آداب طریقت اور اسرار حقیقت کو جس طرح آپ نے اپنے مکتوبات میں سمجھایا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ آپ کے مکتوبات تمام ملک میں دور دور تک پہنچے ہوئے تھے، جذبات کی گہرائی، خیالات کی بلندی اور اپنے انداز بیان کی گیرائی

---

[35] میر خورد، **سیر الاولیاء**، ۱۹۶

[36] خلیق احمد نظامی، **سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات**، ۳۶۲

[37] اسحاق بھٹی، محمد، **فقہائے ہند**، ا: ۲۹۵

[38] ایضاً، ا: ۱۸۵

کے باعث مقبولیت عامہ حاصل کر لی تھی۔[39] محمد بن تغلق کو آپ سے بڑا لگاؤ تھا، سلطان نے آپ کو ایک جاگیر پیش کی جو اس وقت تو آپ نے لے لی لیکن بعد میں فیروز شاہ تغلق کو واپس کر دی۔[40] شیخ شرف الدین نے اپنے شاگرد معروف صوفی فقیہہ شیخ محمد بن محمد بن عیسیٰ بلخی کے لیے شیخ ابولنجیب عبد القاہر سہر وردی کی معروف تصنیف آداب المریدین پر کئی جلدوں میں فارسی زبان میں ایک مبسوط اور مفصل شرح تحریر کی۔[41]

مولانا کمال الدین سنتوسی، اپنے دور کے فاضل اور ماہر علماء میں شمار ہوتے تھے۔ آپ صوبہ بہار کے ایک گاؤں سنتوس کے رہنے والے تھے اور وہیں طلباء کو درس دیا کرتے تھے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ شیخ شرف الدین احمد بن یحیٰ منیری نے ان کو ایک رسالہ لکھا جس کا موضوع یہ تھا کہ اللہ کی معرفت کے لیے عقل کافی ہے یا نہیں۔[42]

فیروز شاہ تغلق[43] کے دور میں صوفیاء کا ادب و احترام کیا جاتا تھا۔ شیخ شرف الدین پانی پتی کے فیروز شاہ تغلق سے کافی اچھے تعلقات تھے۔ آپ اکثر عالم وحدت میں رہتے تھے۔[44]

میر سید امیر ماہ، بہرائچ کے مشہور مشائخ طریقت میں سے تھے۔ سید علاء الدین المعروف بہ علی جاوری سے بیعت تھے۔ وحدت الوجود کے مختلف مسائل پر ایک رسالہ مطلوب فی عشق المحبوب تحریر کیا۔ فیروز شاہ جب بہرائچ گیا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بہرائچ کے سفر کے بعد فیروز شاہ پر مذہبیت کا غلبہ ہو گیا تھا۔[45]

---

39 خلیق احمد نظامی، **سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات**، ۴۱۲

40 ایضاً، ۳۷۲

41 عبد الحئ حسنی، **نزہۃ الخواطر**، ۳: ۱۴۵

42 ایضاً، ۲: ۱۲۱

43 سلطان فیروز شاہ تغلق کا والد سپہ سالار رجب سلطان غیاث الدین تغلق (۱۳۲۰ء۔۱۳۲۵ء) کا چھوٹا بھائی تھا۔ فیروز شاہ ۱۳۰۹ء میں پیدا ہوا ابھی اس کی عمر سات سال کی تھی کہ باپ کا انتقال ہو گیا لہٰذا سلطان غیاث الدین تغلق نے اس کی پرورش کی ذمہ داری لے لی۔ سلطان محمد بن تغلق نے اسے اٹھارہ سال کی عمر میں امیر نائب مقرر کر کے نائب باربک کا خطاب دیا۔ ٹھٹھہ کے سفر میں وہ محمد بن تغلق کے ساتھ تھا، محمد بن تغلق کی وفات کے بعد چونکہ محمد بن تغلق نے کوئی نرینہ اولاد نہیں چھوڑی تھی لہٰذا علمائے دین اور امرائے سلطنت نے باہمی مشورہ کر کے اسے محمد بن تغلق کا جانشین قرار دیا۔ وہ ۱۳۵۱ء میں دریائے سندھ کے کنارے تخت نشین ہوا اور امراء نے اس کی بیعت کی، عفیف، شمس سراج، **فیروز شاہی**، مترجم محمد فدا علی طالب، (لاہور: فکشن ہاؤس، مزنگ روڈ، ۲۰۰۴ء)، ۴۵

44 خلیق احمد نظامی، **سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات**، ۴۱۱، بحوالہ **سیرت فیروز شاہی**، ۸۶

شیخ قطب الدین منور، شیخ جمال الدین ہانسوی کے پوتے اور شیخ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ تھے۔ہانسی میں آپ کی خانقاہ پر لوگوں کا ایک ہجوم ہوتا تھا۔ محمد بن تغلق نے ایک دفعہ قاضی کمال الدین صدر جہاں کے ہاتھ آپ کی خدمت میں دو گاؤں کا فرمان بھیجا مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔[46] آپ چشتیہ سلسلہ کے ان بزرگوں میں سے تھے جنہیں خانقاہی زندگی میں کسی طرح کی مداخلت پسند نہیں تھی۔ لہٰذا فیروز شاہ تغلق کی عقیدت بھی انہیں حکومت سے قریبی تعلقات پیدا کرنے میں کارگر ثابت نہ ہوئی۔فیروز شاہ تغلق نے دہلی جاتے ہوئے چند دن ہانسی میں قیام کیا۔ وہاں یہ شیخ قطب الدین منور کے دربار میں حاضر ہوا، شیخ نے سلطان کو کچھ نصیحتیں کیں اس کے بعد اس نے واپسی کا سفر اختیار کیا۔[47] آپ کے بیٹے شیخ نور الدین نے بھی اپنے خاندان کی روایات پر عمل کیا۔ حصارہ فیروزہ کو آباد کرنے کے بعد فیروز شاہ شیخ نور الدین سے ملنے کے لئے ہانسی گیا اور ان سے حصارہ فیروزہ میں قیام کی درخواست کی اور یہ پیشکش کی کہ اگر آپ وہاں رہیں گے تو ایک خانقاہ وہاں تعمیر کروادی جائے گی اور اس کے مصارف کا بھی بندوبست کیا جائے گا۔ شیخ نور الدین نے پوچھا کہ مجھے حصاری فیروزہ میں قیام کا حکم دیا جارہا ہے یا میری رائے پوچھی جارہی ہے ؟فیروز شاہ نے کہا کہ میں آپ کو حکم کیسے دے سکتا ہوں یہ تو آپ کی مرضی پر منحصر ہے، تو شیخ نے ہانسی میں ہی قیام کا کہا کہ یہ میرے باپ دادا کا شہر ہے اور شیخ فرید الدین اور شیخ نظام الدین نے ان کے سپرد کیا ہے۔[48]

شیخ امام الدین دہلوی (م۱۳۷۸ء)، برصغیر کے علمائے عظام میں سے تھے، آپ ابدال کے لقب سے معروف تھے۔ شیخ بدر الدین غزنوی سے تحصیل علم کیا اور ان کے شیخ نے قطب الدین بختیار کاکی سے فیض حاصل کیا۔ آپ نے ایک عرصہ تک ان سے لزوم وانسلاک اختیار کیے رکھا۔[49]

عہد سلاطین تغلق کے پنجاب کی سہروردی سلسلہ کی روحانی تاریخ میں سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری (۱۳۰۸ء۔۱۳۸۴ء) ایک بلند پایہ صوفی، دانش ور، سیاست دان اور مصلح گزرے ہیں۔ آپ نے شروع سے آخر تک تمام کتب درسیہ اوچ کے ممتاز عالم دین قاضی بہاء الدین اوچی سے پڑھیں۔ قاضی بہاء الدین کی

---

45 ایضاً، ۴۱۴

46 خلیق احمد نظامی، **سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات**، ۳۷۰

47 عفیف، شمس سراج، **تاریخ فیروز شاہی**، مترجم محمد فدا علی طالب، ۷۹

48 ایضاً، ۱۳۲

49 عبد الحیٔ حسنی، **نزہۃ الخواطر**، ۲: ۱۴

وفات کے بعد آپ شیخ رکن الدین کے پاس ملتان چلے گئے وہاں شیخ موصوف کے حکم سے ان کے پوتے شیخ موسیٰ اور شیخ مجد الدین ملتانی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ایک سال میں ان سے درسی کتب کی تکمیل کی۔ وہاں سے فارغ ہو کر اوچ واپس آ گئے۔ یہاں سے حرمین شریفین کا عزم کیا، مدینہ منورہ میں دو سال شیخ عفیف الدین عبد اللہ مطری کی صحبت میں رہے اور ان سے عوارف المعارف کا درس لیا۔ مدینہ منورہ سے مصر اور عراق کا سفر کیا اور وہاں کے کبار مشائخ سے مستفیض ہوئے اور خرقہ طریقت زیب تن کیا۔ آپ کو سیاحت کا بہت شوق تھا۔ آپ نے تمام اسلامی دنیا کی سیاحت کی۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے پیدل چھتیس حج کیے اس لئے آپ کا لقب جہانیاں جہاں گشت تھا۔ علم و فضل میں درجہ اجتہاد اور مرتبہ امامت پر فائز تھے۔ محدث و فقیہ تھے عزیمت پر عمل کرتے تھے۔ جواز ور خصت کے قائل نہ تھے۔ اس دور کے ہندوستان میں مسند شیخت پر متمکن تھے سلطان محمد بن تغلق سے آپ کے نہایت اچھے تعلقات تھے، اس نے آپ کو علاقہ سندھ میں ایک جاگیر دی نیز آپ کو شیخ الاسلام کا خطاب دیا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل کیا آپ کئی مرتبہ اس کے عہد میں دہلی گئے۔[50] وہ بھی اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا لہٰذا سلطان فیروز شاہ نے جب ٹھٹھہ کا دوسری دفعہ محاصرہ کیا تو اگرچہ وہ اس سے پہلے مقامی لوگوں کے ہاتھ سے تکلیف اٹھا چکا تھا اور اس کے دل میں ان کے خلاف سخت غصہ تھا لیکن اس نے مخدوم جہانیاں کی سفارش پر انہیں بالکل معاف کر دیا اور کوئی سزا نہ دی۔[51] آپ کے ملفوظات کی دو جلدیں "الدر المنظوم فی ملفوظ المخدوم" کے نام سے ہیں۔ ان ملفوظات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر خود بھی سختی سے عمل کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کی تبلیغ کرتے تھے۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ہاتھ پر کئی قبیلوں نے اسلام قبول کیا۔[52]

شیخ عمر بن اسعد لاہوری پنڈوی (م ۱۴۰۰ء)، شیخ علاء الدین پنڈوی کے لقب سے معروف تھے۔ علم و فضل کی بلند منزلوں پر فائز تھے۔ عربی علوم، فقہ، اصول فقہ اور حدیث میں مہارت حاصل کی۔ آپ کے والد اسعد بنگال میں عہدہ وزارت پر فائز تھے۔ اس لیے شیخ عمر بن اسعد لاہوری کو علماء اور امراء میں دونوں گروہوں میں قابل عزت مقام حاصل تھا۔ شیخ اسعد ہمیشہ مسند تدریس پر متمکن رہے۔ لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے ان سے فیض

---

[50] شمس سراج عفیف، **تاریخ فیروز شاہی**، ۳۹۵

[51] اکرام، محمد شیخ، **آب کوثر**، ۲۷۹

[52] ایضاً، ۲۸۱

حاصل کیا، جب آپ کی ملاقات شیخ سراج الدین عثمان اودھی سے ہوئی تو درس و تدریس کے مشاغل کو ترک کر کے ان سے منسلک ہو گئے۔ طریقت و تصوف کی راہ پر گامزن ہوئے اور اس درجہ کمال حاصل کیا کہ شیخ سراج الدین عثمان اودھی کی وفات کے بعد درجہ خلافت پر فائز ہوئے۔ شیخ عمر بن اسعد لاہوری سے ان کے بیٹے شیخ نور الحق نے طریقت کی تعلیم حاصل کی۔ ان کے علاوہ سید اشرف سمنانی، عادل الملک جون پوری اور کثیر تعداد نے فیض حاصل کیا۔ شیخ عمر بن اسعد لاہوری نے ۱۴۰۰ء کو بلدہ پنڈوہ میں وفات پائی۔[53]

مسلم معاشرہ میں مساجد، مدارس اور خانقاہیں روایتی تعلیمی ادارے ہیں انہوں نے ہر دور میں معاشرہ کی تعلیمی ضروریات پوری کی ہیں- اب بھی بہت سے مقامات پر یہ ادارے بنیادی تعلیمی اداروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مسلم برصغیر کے عہد حکمرانی میں یاست اور شعبہ تعلیم کا تعلق باہمی آزادی کے احترام کے تصور پر قائم تھا۔ تاہم قرون وسطیٰ کے ہندوستان میں روایتی درس گاہوں کے علاوہ صوفیوں کی خانقاہوں نے بھی علوم و فنون کو پھیلانے میں خاطر خواہ حصہ لیا۔ اس دور میں صوفیاء کی خانقاہیں مایوس افراد کی پناہ گاہیں نہ تھیں بلکہ ان کی حیثیت تہذیبی مراکز کی تھی۔ جہاں لوگ اخلاقی، روحانی اور تہذیبی تعلیم کے لئے اکٹھے ہوتے تھے یوں صوفیائے کرام کی خانقاہیں درس گاہوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔

المختصر تغلق دور میں ہندوستان میں خانقاہیں وسیع پیمانہ پر موجود تھیں تصوف کے سبھی مشہور سلاسل علم و دانش کی زیر نظر دور میں حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔ محمد بن تغلق نے مشائخ وقت سے اپنی صلاحیتوں کو ریاستی نظام کے تحت لانے کا تقاضا کیا جس پر چشتی سلسلہ نے اسے اپنی روحانی آزادی کا خاتمہ سمجھتے ہوئے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ملتان، جہاں سہروردی سلسلہ کی سب سے بڑی خانقاہ تھی، اپنی جغرافیائی، تمدنی اور اور سیاسی اہمیت کی بنا پر ہمیشہ حکمرانوں کی توجہ کا مرکز رہا۔ محمد بن تغلق یہاں کی خانقاہی زندگی پر اپنا اثر قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا اور سہروردی خانقاہ کو ایک حکومتی شعبہ میں تبدیل کر دیا۔

یہ امر لائق ذکر ہے کہ چشتیہ سلسلہ کا عمومی طور پر حکمرانوں سے فاصلہ رکھنے کی حکمت عملی محمد بن تغلق کے بنیادی تصورات سے میل نہیں کھاتی تھی، لہٰذا ان دونوں کے مابین تعلقات بالعموم خوش گوار نہ تھے۔ لیکن چشتی صوفیاء نے دارالحکومت میں اپنی خانقاہ قائم کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا اور سلطان محمد بن تغلق

---

[53] عبدالحئ حسنی، **نزہۃ الخواطر**، ۲: ۹۷

کے عہد میں دولت آباد کو جب مرکزی حیثیت حاصل ہوئی تو شیخ نظام الدین اولیاء کے خلفاء میں سے شیخ محمد بن محمود ہانسوی اور امیر حسن سنجری نے اس کو اپنا مرکز بنایا۔

تغلق دور حکومت میں صوفیاء اور حکمرانوں کے مابین تعلقات مختلف نوعیت کے رہے لیکن تمام صوفیاء کے سلاسل میں دعوت و تبلیغ کا رجحان نمایاں رہا تاہم چشتی صوفیاء میں فرائض کے اہتمام کے بعد معاشرتی امور میں غیر جانبداری کو ترجیح دیتے تھے جبکہ سہروردی صوفیاء امور شریعت کی عملی نوعیتوں کی طرف زیادہ متوجہ رہے۔ ان صوفیاء کے متنوع طرق و انداز کے باوجود انہوں نے رواداری اور انسان دوستی کے رویوں کی آبیاری کی اور کسی طور تبلیغ اسلام کے عنوان سے نفرت انگیزی اور انتہاپسندی کو اپنے پیروکاروں میں پروان نہ چڑھنے دیا۔ موجودہ دور میں دہشت گردی کے انسداد کے لئے حکومتی سطح پر ذمہ دار افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ مل بیٹھ کر ایک مناسب لائحہ عمل اختیار کریں جس میں صوفیاء کی تعلیمات کو عام کیا جائے تا کہ معاشرتی عدم استحکام کا خاتمہ ہو سکے۔

نتائج تحقیق:

1۔ تغلق دور میں برصغیر میں خانقاہیں وسیع پیمانہ پر موجود تھیں۔ تصوف کے سبھی مشہور سلاسل کے ہاں علم و دانش کی زیر نظر دور میں حوصلہ افزائی کی گئی۔

2۔ تغلق دور میں مشائخ کا کافی ادب و احترام کیا جاتا تھا۔ گو غیاث الدین تغلق اور محمد بن تغلق کے ادوار میں صوفیاء اور حکمرانوں کے درمیان تعلقات زیادہ خوش گوار نہ تھے لیکن مجموعی طور پر امن رہا۔

3۔ غیاث الدین تغلق کے مشائخ سے اچھے تعلقات رہے لیکن اس کے مذہبی جذبات و افکار پر فقہاء کا اثر غالب رہا۔

4۔ محمد بن تغلق نے مشائخ وقت سے اپنی صلاحیتوں کو ریاستی نظم کے تحت لانے کا تقاضا کیا جس پر سہروردی سلسلہ نے اس فیصلہ سے اتفاق کیا اور سلطان سے تعاون کے لیے تیار ہو گئے، سہروردی صوفیاء حکومت سے تعلقات رکھنے کے ساتھ ساتھ ملکی سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے۔

5۔ چشتیہ سلسلہ کے بنیادی اصول محمد بن تغلق کے بنیادی تصورات سے میل نہیں کھاتے تھے لہذا ابتدا میں ان دونوں کے مابین تعلقات میں کشمکش جاری رہی۔

6۔ فیروز شاہ تغلق کے اپنے دور حکومت میں صوفیاء کے ساتھ اچھے تعلقات رہے اور وہ ہمیشہ ان سے رواداری سے پیش آیا۔

سفارشات:

تغلق دور کے حوالہ سے زیر نظر مطالعہ سے عصری حوالہ سے جو تقاضے ابھرتے ہیں ان کو اس طرح واضح کیا جاسکتا ہے:

1۔ تصوف کا بنیادی مقصد لوگوں کے دلوں میں پاکیزہ جذبات کی آبیاری ہے جس سے معاشرہ میں عمدہ اخلاق پروان چڑھتے ہیں۔

2۔ تصوف سے انسان دوستی کے رجحان کو فروغ حاصل ہوتا ہے، جس سے معاشرہ میں نفرت انگیزی کو کم کرنے میں مدد ملتی ہے۔

3۔ صوفیاء نے علم و شعور کے فروغ کے ذریعہ معاشرہ سے جہالت و جمود کے خاتمہ میں بنیادی کردار ادا کیا، آج کی خانقاہوں کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ جہالت و جمود کے خلاف عوامی شعور کی رہنمائی کریں۔

4۔ آج کی خانقاہوں میں موجود رفاہی نظام کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان سے وابستہ افراد کی روحانی ومادی ضروریات کی تکمیل کا باوقار طریقہ وضع کیا جاسکے۔